گئیں۔ ان وارداتوں کے چند ملزمان پکڑے گئے جن سے تفتیش ہو رہی ہے۔ بردہ فروشی سے متعلق ایک خصوصی نوعیت کا ذکر بھی یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بعض عرب ریاستوں میں اونٹوں کی ریس میں معصوم بچوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مفاد پرست عناصر سندھ اور پنجاب کے غریب گھرانوں کے افراد کو پیسوں کا لالچ دے کر ان کے بچوں کو اونٹوں کی ریس میں استعمال کرنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ ان بچوں کو اونٹ کے کجاوے کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے اور انہیں کسٹرآئل پینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کسٹرآئل کے معدے میں جاتے ہی پیٹ میں سخت درد اور مروڑ ہونے لگتی ہے، تکلیف کی شدت سے بچے چیختے چلاتے ہیں۔ بچے کی آواز سن کر اونٹ تیز سے تیز تر دوڑنے لگتے ہیں۔ اس انسانیت سوز کھیل میں بہت سے بچے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ بعض بچے اونٹ کے قدموں تلے کچلے جاتے ہیں اور ہلاک ہوجاتے ہیں، بعض زخمی ہوجاتے ہیں۔ گوکہ مختلف رفاہی اور فلاحی اداروں کے احتجاج پر اونٹ کی ریس میں بچوں کے استعمال پر پابندی عائد کردی گئی ہے تاہم درپردہ اب بھی یہ مجرمانہ کاروبار جاری ہے۔

غریب اور نادار گھروں کے بچوں کے علاوہ جو معاشی بدحالی اور مجبور اور جاہل والدین کی عدم توجہی یا بے بسی کی وجہ سے مجرم گروہوں میں شامل کرلئے جاتے ہیں، بعض امیر گھرانوں کے چشم و چراغ بھی منشیات اور دوسری مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ آج کل منشیات کے کاروبار میں عام شہریوں کے بجائے امیر گھرانوں کے نوجوان بچے ہی پیش پیش ہیں۔ وہ اپنے ساتھ ملازموں کے بچوں کو شامل کرکے لوٹ مار، چوری، ڈاکہ زنی، جنسی بے راہ روی، منشیات کے استعمال اور چھوٹی بڑی وارداتیں کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ اب سے کچھ عرصہ قبل ڈیفنس میں ہونے والی قتل کی ایک واردات میں 16 سالہ نوجوان کی گرفتاری ہے۔

جیلوں میں مقید ماؤں کے بچے:۔ یہ وہ بچے ہیں جو مجبوراً اپنی ماؤں کے ساتھ جیل میں رہتے ہیں۔ گوکہ ان کی تعداد کم ہے تاہم ایک ایک فرد ایک ایک بچے کی بقا، حفاظت و بہبود اور ترقی معاشرے اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ان بچوں کی عمریں 5 سال تک ہوتی ہیں۔ بہت سے فلاحی ادارے جیسے انصار برنی ٹرسٹ، ایدھی وغیرہ ان بچوں کی فلاح و بہبود کے حوالے سے مختلف اقدامات کرتے ہیں۔

جنگوں یا قدرتی آفات سے متاثرہ بچے:۔ بہت سے بچے جنگوں یا قدرتی آفات کے نتیجے میں اپنے والدین سے جدا ہوجاتے ہیں یا معذور و مفلوج ہوجاتے ہیں۔ پاکستان میں بہت سے افراد ایسے بھی ہیں جو آج بھی اپنے والدین یا بھائی بہنوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں جن سے وہ بچپن میں قیامِ پاکستان کے وقت جدا ہوگئے تھے، سیلاب اور زلزلے سے بھی بہت سے بچے متاثر ہوجاتے ہیں۔

جیلوں میں مقید بچے:۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ کے مطابق ملک کی مختلف جیلوں میں اس وقت تقریباً ساڑھے چار ہزار (4,500) بچے مقید ہیں۔ ان میں سے تین ہزار (3,000) سے زائد بچے کسی جرم میں ملوث نہیں ہیں، ان کے مقدمات ابھی تک شروع نہیں ہوئے۔ ان میں سے اکثر بچے مہینوں جیل میں پڑے رہتے ہیں، کیوں کہ ان کے والدین ان کی ضمانت کرانے کے قابل نہیں ہوتے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی یہ رپورٹ پچھلے سال منظرِ عام پر آئی۔ اس رپورٹ میں پاکستان میں بچوں کے حوالے سے عدلیہ کے کردار پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی مذکورہ رپورٹ میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ پاکستان نے 1990ء میں اقوام متحدہ کے بچوں کے حقوق سے متعلق معاہدے پر دستخط کئے اور جوینائل جسٹس سسٹم آرڈیننس (JJSO) کے نام سے مقامی طور پر چند قوانین وضع کئے اور اس معاہدے کی ایک اہم شق کو جس کے تحت قانون سے رابطے کے نتیجے میں سامنے آنے والے بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشش حکومت کی لازمی ذمہ داری قرار دی گئی 2000ء کو نافذ کیا گیا، لیکن اس شق کے عدم نفاذ اور شعوری کمزوری اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پاکستان میں پولیس کی حراست یا قید میں موجود بچوں کے حقوق ابھی تک مکمل طور پر نظرانداز کئے جارہے ہیں۔ جوینائل جسٹس سسٹم آرڈیننس کے قوانین اس بات کی اجازت قطعی نہیں دیتے کہ بڑے قیدیوں کے مقدمات اور بچوں کے مقدمات کے لئے ایک ہی دن عدالتی سماعت ہو۔ لیکن طرفہ تماشہ ہے کہ یہ عمل مسلسل ہورہا ہے، بلکہ ان قیدی بچوں کو ایک ہی لاک اَپ میں خطرناک جرائم پیشہ قیدیوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے جہاں ان قیدیوں کی جانب سے بچوں پر تشدد اور مجرمانہ حملے یا بدفعلی کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ بچوں کے لئے موت کی سزا کو مذکورہ بالا دونوں طرح کے انسانی حقوق اور جے جے ایس او قوانین میں سختی سے ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن پاکستان میں بدقسمتی سے بچوں کی سزائے موت پر عملدرآمد پوری طرح ہورہا ہے۔ اسی طرح کے فیصلے زیریں عدالتوں میں ہوتے ہیں کہ جہاں تمام مجسٹریٹس جوینائل سسٹم آرڈیننس سے پوری طرح آگاہی رکھتے ہیں بشمول تمام صوبائی اور وفاق کے زیرِاہتمام قبائلی علاقوں میں کہ جہاں یہ قانون پوری طرح نافذ ہے۔ ایک سرکاری ذریعے کے مطابق صرف پنجاب میں اسی طرح کے 300 مقدمات زیرِسماعت ہیں۔

یہ کچھ ایسے حقائق اور اعداد و شمار ہیں کہ جن کی روشنی میں پاکستان میں بچوں کی حالتِ زار کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حکومت کی جانب سے نسلِ نو کی حفاظت و کفالت تو دور کی بات ان معصوم اور چٹکی ہوئی کلیوں سے ان کی مسکراہٹ بھی چھین لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

وہ پھول اپنی لطافت کی داد نہ پاسکا
کھلا ضرور مگر کھل کر مسکرا نہ سکا

ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے کے دیگر طبقات ان بے سہارا بچوں کی بقاء، حفاظت، دیکھ بھال اور فلاح و بہبود کی کوشش کریں اور ان کی مالی، مادی، جسمانی اور ذہنی اعانت سے انہیں پھر زندگی میں بحال کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ انہی کے دم سے تو اس کائنات میں رونق ہے اور یہی تو ہماری امید کے وہ ننھے ستارے ہیں جن سے ہمارا آنے والا کل روشن ہے۔

سڑکوں پر رہنے والے بنگلہ دیشی بچے

ڈھاکہ (بنگلہ دیش) میں تین لاکھ بچے اپنی زندگی کے دن اور رات سڑکوں، پارکوں، اسٹیشنوں وغیرہ پر بسر کرتے ہیں۔ یہ انکشاف ایک خصوصی رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں ایک تیرہ سالہ بچے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی راتیں ڈھاکہ ریلوے اسٹیشن پر بسر کرتا ہے اور گزربسر کے لئے کاغذ اور بوتلیں وغیرہ جمع کرکے فروخت کرتا ہے۔ اس بچے نے بتایا کہ اس کے پاس کھانے کے لئے صرف چند ٹکٹ ہیں کیونکہ اس سے زیادہ وہ کما نہیں سکا۔ اس نے بتایا کہ میں اپنی طلب سے زیادہ بھی کما سکتا ہوں۔ لیکن اس کے لئے مجھے وہ کچھ کرنا ہوگا جو بنگلہ دیش کی گلیوں میں پھرنے والے بچے اور بچیاں عام طور پر کرتے ہیں۔ یہ بچہ تین سال قبل اپنے انکل کے ہمراہ روزگار کے لئے یہاں آیا تھا۔ اس کے انکل نے اسے یہاں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ رپورٹ میں ایک 11 سالہ بچے ممن کا ذکر ہے، جس کے والد نے دوسری شادی کرلی تھی۔ اس نے بتایا کہ اسے والدین بہت یاد آتے ہیں جب میں ان کے بارے میں متفکر ہوتا ہوں تو ایک کروڑ کے اس شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک بے مقصد گھومتا رہتا ہوں۔ رپورٹ میں ایک مرکز کے ڈائریکٹر کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ شہر کی گلیوں میں پھرنے والے بیشتر بچے یتیم ہیں یا کسی اور وجہ سے گھر پر نہیں رہ سکتے اور زندہ رہنے کے لئے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ بچوں کے ایک مرکز پر کام کرنے والے ماہر نفسیات نے بتایا کہ ان بچوں کی زندگی سانحات سے پر ہے اور ان کو معمول کی زندگی گزارنے کے لائق بنانا نہایت مشکل کام ہے۔ ان میں سے بعض سگریٹ اور منشیات کے عادی ہیں۔ بہت سے بچے جنسی زیادتیوں کا شکار بھی ہوئے ہیں۔

بچے کس حال میں ہیں؟

حاجی ابوالبرکات

یوں تو بچپن کی عمر تقریباً سات برس تک شمار کی جاتی ہے لیکن بہت سے لوگ بچوں کی اس عمر کی حد کو 7 سال سے بڑھا کر 14 سال تک لے جاتے ہیں اور عمر کی ان حدود کو بھی بچپن اور لڑکپن میں بانٹ دیتے ہیں۔ یہ دور ان کے لیے بہت نازک دور ہوتا ہے کیوں کہ اس میں ایک بچہ پروان چڑھ رہا ہوتا ہے۔ بچپن کا یہ حصہ ایک بچے کے ہوش سنبھالنے سے ہی شروع ہوجاتا ہے جو کہ ایک انسان کی زندگی کا سب سے خوش گوار حصہ ہوتا ہے۔ اس میں بے فکری اور ہر قسم کے رنج و غم سے آزادی ہوتی ہے، جو عمر کے کسی اور حصے میں میسر نہیں ہوتی، اور پھر بالآخر ایک دن ایسا بھی آتا ہے جب یہ دور خواب و خیال بن جاتا ہے اور انسان اس سنہرے دور کو یاد کرکے آہیں بھرنے لگتا ہے۔

معصوم بچوں کا ذہن بہت تیز ہوتا ہے، وہ عمر کے اس حصے میں ہر اچھی و بری باتوں اور عادتوں کو فوراً ذہن نشین کرلیتے ہیں۔ اس لیے بچوں کی تعلیم و تربیت کا یہ اچھا زمانہ ہوتا ہے، مگر بدقسمتی سے ہمارے ملک میں مجموعی طور پر خواندگی کی شرح 51.6 فیصد ہے، جس میں سے خواتین کی شرح خواندگی 36 فیصد اور مردوں کی 64 فیصد ہے۔

بچے اگر برے ماحول اور بری صحبت میں پڑ جائیں تو ساری عمر یہ ایک اچھے شہری نہیں بن سکتے اور ماں باپ کے علاوہ پورے معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ قوم کے ان نونہالوں کو اس عمر سے ہی صحیح تعلیم و تربیت دی جائے، اس کے ساتھ ساتھ ان کو کھیل کود میں حصہ لینے کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں جس کے لیے حکومت کو ایک جامع منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کی محفوظ اور صحت مند ماحول میں نشوونما ہوسکے۔ بچے ملک و قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں جنہیں آگے چل کر ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہوتی ہے۔ ان کی بقاء، تحفظ اور ترقی پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کی تعداد 15 کروڑ 30 لاکھ ہے جن میں سے ہر سال 60 لاکھ بچے مختلف بیماریوں اور مختلف وجوہات کی بنا پر ہلاک ہورہے ہیں۔ 1999ء میں بھی لاہور میں ایک ہی قاتل جاوید اقبال کے ہاتھوں 100 معصوم بچے قتل کردیے گئے تھے۔ انسانی حقوق کے ادارے "مددگار" کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 2004ء میں 694 بچوں کو قتل کردیا گیا اور 1684 بچوں کو جسمانی، ذہنی اور جنسی تشدد کا نشانہ بنادیا گیا تھا۔

پاکستان آبادی کے اعتبار سے دنیا کا ساتواں بڑا ملک ہے جس کی آبادی ایک اندازے کے مطابق سال کے اختتام پر 151 ملین ہوگئی ہے اور اس کی آبادی میں اضافے کی سالانہ شرح 3.5 فیصد ہے جس میں سے ہماری آبادی کا 43 فیصد حصہ 15 سال سے کم عمر کے بچوں پر مشتمل ہے، جس کے مطابق ملک میں بچوں کی کل تعداد ایک کروڑ 80 لاکھ کے لگ بھگ ہے اور دس سال سے زائد عمر کے افراد کی کل تعداد 10 کروڑ 70 لاکھ ہے جس میں سے 60 لاکھ بچے تعلیم حاصل نہیں کر پارہے ہیں اور مجموعی طور پر 30 سے 40 فیصد بچے سالانہ پرائمری تعلیم حاصل کیے بغیر اسکول چھوڑنے پر مجبور ہیں، یعنی کل آبادی کے ایک کروڑ 20 لاکھ بچے پرائمری تعلیم بڑی مشکل سے حاصل کر پارہے ہیں حالانکہ مسلمانوں کے لیے یہ حکم کہ "علم ماں کی گود سے قبر تک حاصل کرو۔" رسول ﷺ نے فرمایا "علم کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔"

اتنی بڑی آبادی والے ملک میں ضروریاتِ زندگی کے لیے وسائل کم پڑتے جارہے ہیں۔ خوراک کی کمی کا یہ حال ہے کہ گندم ہمیں دوسرے ممالک سے درآمد کرنی پڑرہی ہے۔ مہنگائی کا یہ حال ہے کہ آٹا 18 سے 20 روپے فی کلو تک بعض شہروں میں فروخت ہورہا ہے۔ پینے کے لیے صاف پانی 40 فیصد آبادی کو میسر نہیں ہے۔ صحت کا یہ حال ہے کہ ہر دسواں بچہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہے کیونکہ اس کے پاس بہتر رہائش اور خوراک میسر نہیں ہے، جس کی وجہ سے ہمارے ملک میں سالانہ 6 لاکھ بچے مختلف بیماریوں کی وجہ سے موت کا شکار ہورہے ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیم کی ایک رپورٹ کے مطابق کراچی میں دس ہزار بچے کھلے آسمان کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔

ملک میں آج بھی بگڑتے ہوئے معاشی و اقتصادی حالات کے قائم رہنے سے 30 ملین عوام بے روزگاری اور بھوک و افلاس کی وجہ سے غربت کی سب سے نچلی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں، جس سے انہیں بہت سے مسائل و دشواریوں کا سامنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلسل لیبر چائلڈ میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ اب جب کہ جنوری 2005ء سے WTO کے عالمی قوانین کے تحت پاکستان کو عالمی منڈی میں تجارت کرنی ہے تو ایسی صورت میں اس معاہدے کے تحت دنیا کے ان ممالک پر کچھ تجارتی پابندیاں بھی لگادی گئی ہیں جہاں بچوں سے مشقت یا جبری مشقت (چائلڈ لیبر) لی جارہی ہے۔ اور ان کے صنعتی یونٹوں اور فیکٹریوں میں بچے محنت مزدوری کررہے ہوں تو ایسے ممالک کسی بھی ملک سے تجارت نہیں کرسکتے اور نہ ہی اپنی مصنوعات کو فروخت کرسکتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق اِس وقت دس لاکھ سے زائد بچے قالین بافی، چمڑے کے کارخانے، ماچس، بیڑی اور اگربتی و موم بتی کے کارخانے، کھڈیوں پر کپڑے بُننے اور گتے کے کارخانوں کے علاوہ گارمنٹ کے کارخانوں میں 12،12 گھنٹے کام کررہے ہیں۔ مزید یہ کہ سڑکوں، فٹ پاتھوں پر موٹر مکینک کی دکانوں پر بھی مستقل کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں بچے شہروں میں بڑے بڑے تھیلے اٹھائے کچرا چننے کا کام بھی کررہے ہیں اور شہر کے چوراہوں پر چھوٹے چھوٹے بچے بھیک مانگتے ہوئے دکھائی دے رہے ہوتے ہیں کیونکہ یہ غربت، بھوک و افلاس سے تنگ آکر اپنے خاندان کا معاشی بوجھ اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھانے کی ناکام کوشش کررہے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے بچے معاشرتی برائیوں کا شکار ہوکر نشے کے بھی عادی ہوتے جارہے ہیں اور پھر چوری، ڈکیتی اور دیگر جرائم تک کرنے سے گریز نہیں کررہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ملک کے بڑے بڑے شہروں کی بچوں کی جیلیں بچوں سے بھری پڑی ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیم کی اس رپورٹ پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے جس میں کہا گیا تھا کہ پچھلے سال 360 بچے اغوا کرکے بیرونِ ملک اسمگل کردیے گئے ہیں جہاں یہ اونٹوں کی ریس میں استعمال ہوکر ہلاک ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ اغوا برائے تاوان کے کیسوں میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے ایک حکم اور فیصلے کے مطابق "جے جے ایس او" کی تنسیخ ہوگئی ہے، جس کے نتیجے میں اب کم عمر افراد کو بھی سزائے موت دی جاسکتی ہے جب کہ اس سے قبل بچوں کی سزائے موت پر پابندی تھی۔ لہٰذا ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اس آرڈیننس کی منسوخی پر اظہارِ افسوس کیا ہے کیوں کہ اب بچوں کی خصوصی عدالت کا بھی خاتمہ ہوجائے گا اور ان پر مقدمات عام عدالتوں میں چلائے جائیں گے جو کہ ان معصوم بچوں کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

پاکستان میں بچوں کے ساتھ ہونے والی ذہنی و جسمانی زیادتیوں کے ازالے کے لیے اور ان کے تحفظ، ترقی اور حقوق کی پامالی سے نجات دلانے کے لیے حکومت نے یونائیٹڈ نیشن کنونشن 1990ء کے تحت بچوں کے حقوق کو تسلیم کیا ہے، جس کے بعد حکومت پر ذمہ داری عائد ہوگئی ہے کہ وہ اس قرارداد کی روشنی میں بچوں کی بقاء، ترقی اور حقوق کے لیے نمایاں اقدامات اٹھائے۔ لہٰذا نیشنل کمیشن برائے چائلڈ ویلفیئر اینڈ ڈیولپمنٹ کا ایک محکمہ بنادیا گیا ہے جو کہ بچوں کی قومی و بین الاقوامی سطح پر نمائندگی کررہا ہے۔ اس ادارے نے 2004ء کو بچوں کی فلاح و بہبود کا سال قرار دیا تھا اور پھر حکومت نے ہر سال 9 جنوری کو بچوں کا قومی دن منانے کا بھی اعلان کیا ہے۔ لہٰذا 9 جنوری 2005ء کو بچوں کے اس دن کو منایا جارہا ہے، جس میں این جی اوز اور سماجی بہبود کے مختلف ادارے بھی حصہ لیں گے۔